ALHAMD ISLAMIKA
Volume 10 Issue 02
June - December 2023

# اسلامی معاشرے میں بیوہ خواتین علماءامت کے اقوال کی روشنی میں

## *Widow Women's Rights in Islamic Society: Insights from Scholars of the Muslim Community*

***Khalil Ur Rehman***
*Ph.D Scholar, Islamic Studies*
*Riphah International University, Islamabad*
*Email: khalilusmani989@gmail.com ORCID: https://orcid.org/0009-0002-6339-30000*

***Dr. Basheer Ahmed***
*Assistant professor, Islamic Studies*
*Alhamd Islamic University, Quetta*
*Email:*

## Abstract

In the beginning, Islam made the world a cradle of peace and prosperity by providing an opportunity for all species and individuals of humanity to take benefit from it by following these Islamic teachings but as time progressed, the implementation of Islamic teachings became neglected. The result was that humanity once again began to turn from peace to unrest, from prosperity to poverty, and from the payment of rights to the destruction of rights. Due to which the oppressed, forced and helpless people of the society started to become the target once. There are also widows among these classes about whom Islam has given very useful and respectful teachings. In the era of Prophethood, they were treated with great admiration and respect until the position of the first lady of Islam fell to a widow named Hazrat Khadija r.a. During the Khilafat era, they were well received as sometimes Hazrat Abu Bakr ra is cleaning the house of an old widow and sometimes Umar is carrying a sack of food and drink on his shoulders to a tent of a widow. But as time moved away from the era of Prophethood and the era of Khilafah, like the other victims of humanity, the rights of widows also began to be violated. As a result of which they became victims of various social and economic problems which are the source of their constant humiliation. . Their social problems such as stopping from second marriage, expulsion from home, suffering from psychological problems, ban on adornment, education and upbringing of children, lack of access to legal and welfare institutions, deprivation of children's education mentioned here. In the same way, their economic problems such as deprivation of inheritance, deprivation of dowry, possession of personal property due to in-laws also mentioned which are facing by these widows. In this thesis it has explained with detail and logic so that they get relief from all these difficulties and the responsible people especially the government were urged to enact laws in the light of these Islamic teachings to relieve the widows from these social and economic difficulties so that they too can be peaceful like other women in the society. And be able to live a prosperous life and restore thier honor, dignity and respect in the society once again.

**Key words:** Islam, widows. social and economic problems, restore, respect.

بیوہ خواتین، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بہت محترم ہیں، اسلام نے مسلمانوں بالخصوص متعلقہ خاندانوں کو اس کے حقوق کی آدائیگی اور پاسداری کی خوب ترغیب دی ہے یہاں تک رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن بیواؤں کی خبر گیری کرنے والے میرے ساتھ جنت میں ہو گا نیز فرمایا کہ اس شخص کی مثال اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے شخص کی طرح ہے جو بیواؤں کا خیال رکھنے والا ہوتا ہے بلکہ اس کو رات میں قیام کرنے والے اور بلا ناغہ دن کو روزہ رکھنے والے روزہ دار سے بھی افضل قرار دیا ہے۔

عورت چونکہ معاشرے کا نصف یا نصف سے زیادہ حصہ ہے۔ عورت کی شرافت و تکریم کے بغیر معاشرے میں بے سکونی و بے اطمینانی عام ہو گی کیونکہ اللہ تعالی نے سکون کا ایک سبب عورت کو قرار دیا ہے۔ اب اگر انسان چاہتا ہے کہ وہ سکون و اطمینان سے رہے تو اس کو چاہئے کہ دوسروں کے سکون و اطمینان کی بھی فکر کریں ورنہ یک طرفہ طور پر معاشرے میں اس کا حصول سکون نہ صرف یہ کہ ناممکن ہے بلکہ جو سکون اس کو شخصی طور پر حاصل ہوتا ہے وہ بھی رفتہ رفتہ زوال پذیر ہو گا کیونکہ معاشرے میں مرد و عورت کی ساخت اللہ تعالی نے ایسے بنائی ہیں کہ باہم ایک دوسرے پر انحصار کرنے والے ہیں۔ بہت سے امور ایسے ہیں جن کا مرد کے ہاتھوں انجام پذیر ہونا ضروری ہے اور بہت سی ایسی بھی ہیں جن کا حصول عورت کے وجود کے بغیر ناممکن ہے مثلاً جنسی تسکین، افزائش نسل وغیرہ تو ضروری ہوا کہ معاشرے کے یہی دو پہیے خوش اسلوبی اور اطمینان کے ساتھ اپنا مادی و روحانی سفر جاری رکھیں۔ معاشرتی زندگی کے پر سکون ہونے کے لئے دونوں کا مطمئن ہو کر رہنا ضروری ہے تب کہیں جاکر معاشرہ سکون و امن کا ماحول پائے گا۔

جب یہ بات ضروری ہوئی کہ مرد و زن ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہے اور باہمی تعلق کے بغیر شخصی طور پر ایک بھی مطمئن ہو کر نہیں رہ سکتا ہے تو ضروری ہے کہ یہ دونوں باہمی طور پر ایک دوسرے کی خبر گیری اور خیال رکھنے والے ہوں۔ اگر کہیں پر کسی کو معاشرتی زندگی میں کوئی رکاوٹ آ بھی جائے تو دوسرے کی ذمہ داری ہے کہ اس کی رکاوٹوں کو دور کرکے اس کا معاشرتی سکون کے سامان کا بندوبست کریں۔

"بیوہ" عورت کی ایک ایسی صورت یا حالت کا نام ہے کہ جس میں وہ معاشرتی زندگی میں مختلف حوالے سے بے سکونی اور بے اطمینانی کا شکار ہو جاتی ہے کیونکہ جب اس کا مستقل سہارا (خاوند) اس سے چھین لیا جاتا ہے جو اس کی جملہ ضروریات چاہے وہ مالی ہو، جنسی ہو، حفاظتی ہو یا علاج معالجہ سے متعلق، ان تمام کے بندوبست کا ذمہ دار خاوند ہوتا ہے۔ اب جب وہ باقی نہیں رہتا تو ان تمام تر ذمہ داریوں کا ایک نہتی عورت کے ہاتھوں پورا ہونا تقریباً ناممکن ہے اس لئے شریعت اسلامی نے معاشرتی افراد، خاوند کے خاندان، والد کے خاندان اور دیگر معاشرتی افراد کی یہ ذمہ داری بنائی ہے کہ ایسی بے سہارا اور لاچار عورت کو بے یار و مدد گار نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ اس کی جملہ ضروریات کا اہتمام کرنا چاہئے یہی وجہ ہے کہ اس کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لئے خاوند کی میراث میں سے اس کو چوتھا (اگر اولاد نہ ہو) یا آٹھواں (اگر اسی خاوند سے اولاد ہو) مقرر کیا ہے تاکہ کسی حد تک اس کی معاشی ضروریات کا بندوبست ہو جائے نیز اس کی جنسی تسکین کے لئے اس کو نکاح ثانی کی ترغیب دی ہے تاکہ اس کی جنسی تسکین ہونے کے ساتھ ساتھ افزائشِ نسل بھی ہو اور عورت کو خاوند کی صورت میں ایک مستقل سہارا بھی مل جائے۔

بیوہ چونکہ عام عورتوں کی طرح ایک عورت ہی ہے لہذا جو حقوق ایک عام عورت کو حاصل ہوتی ہے وہ بیوہ کو بھی حاصل ہو گی البتہ چند عورت کے ہر مرحلے (ماں، بیوی، بیٹی، بہن اور بیوہ) کے اعتبار سے اس کے کچھ ایسی امتیازی حقوق بھی ہوتے ہیں جو اس عورت کے ساتھ خاص ہوتے ہیں جیسا بیوہ کے لئے دوسرے نکاح کی ترغیب وغیرہ تو یہاں پر بیوہ کے اس مقام اور حقوق کا تذکرہ مقصود ہے تاکہ اس کے امتیازی حقوق کا تعین ہو کر آگاہی حاصل ہو تاکہ معاشرے کے دیگر معزز افراد کی طرح بیوہ کے حقوق کی پاسداری ہو اور وہ معاشرے میں ایک معزز شہری کے طور پر زندگی گزار سکیں۔

اسلام سے پہلے اگر عورت کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا عورت انسانی درجے سے نیچے کی کوئی مخلوق ہے کیونکہ اس کے ساتھ وہ غیر فطری اور ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا کہ جس کے بارے میں سوچ کر بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسا کہ قبل از اسلام، زمانہ جاہلیت میں اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تھا تو وہ بیوہ عورت ایک سال تک عدت گزارتی تھی جس دوران اس کو نہ تو پہننے کے لئے لباس دیا جاتا تھا اور نہ ہی ہاتھ منہ دھونے کے لئے پانی جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی روایت ہے؛

> "زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو وہ ایک نہایت تنگ و تاریک کوٹھڑی میں داخل ہو جاتی، برے کپڑے پہنتی اور خوشبو کا استعمال چھوڑ دیتی تھی یہاں تک کہ اسی حالت میں ایک سال گزر جاتا پھر کسی چوپائے گدھے بکری یا پرندہ کو اس کے پاس لایا جاتا اور وہ عدت گزارنے کے لئے اس پر سے ہاتھ پھیرتی، ایسا کم ہوتا تھا کہ وہ کسی جانور پر ہاتھ پھیرتی اور وہ چیز مر نہ جائے، اس کے بعد وہ نکالی جاتی اور اس کو مینگنیاں لا کر دی جاتی جسے وہ پھینکتی، اس کے بعد وہ خوشبو وغیرہ استعمال کر سکتی تھی"[1]۔

یہودیت میں بھی عورت کا کوئی مقام نہیں تھا، نرینہ اولاد کی موجودگی میں عورت حق وراثت سے محروم رہتی، وہ مرد کی کنیز اور لونڈی تصور ہوتی، یہودیت میں عورت کو بعولہ (منقولہ جائیداد) اور خاوند کو بعل (مالک) کہا کرتے تھے، بنیادی حقوق، میراث، دوسرے نکاح اور دیگر حقوق و فرائض سے محروم رہتی [2]۔

مسیحی مذہب لے لیں، اس میں بھی عورت کی حیثیت کچھ مختلف نہ تھی کیونکہ ان کے ہاں طلاق یا خلع کے ذریعے عورت کو آزادی نہیں مل سکتی تھی اگر کہیں پر انتہائی شدید حالت میں مل بھی جاتی تو دوسرا نکاح ان کے لئے منع تھا بلکہ اس کو شہوت پرستی اور ہوس زنی سے تعبیر کرتے تھے بلکہ عورت کی حیثیت صرف اتنی تھی کہ وہ بچوں کو جنم دیں نہ یہ کہ وہ خاوند کے ساتھ خوشحال اور آزاد زندگی گزارے [3]۔

ہندومت کا مطالعہ کریں تو بیوہ کے بارے میں "ستی" جیسا بھیانک رسم ملے گا جو خاوند کی وفات کے بعد بیوی سے زندہ رہنے کا حق تک چھین لیتا ہے۔ ابوریحان البیرونی اپنی کتاب "کتاب الہند" میں لکھتے ہیں؛

> "عورت کا شوہر جب مر جاتا تو اسے بیاہ کرنے کا حق نہیں ہے اور اسے دو حال میں سے ایک اختیار کرنا ہوگا، یا زندگی بھر بیوہ رہے یا جل کر ہلاک ہو جائے البتہ ان دونوں صورتوں میں 'ستی' ان کے لئے زیادہ بہتر ہے اس کے لئے وہ پوری عمر عذاب میں رہے گی، ہندوؤں کا دستور یہ ہے کہ وہ راجاؤں کی بیویوں کو جلا دیتے ہیں خواہ وہ جلنا چاہیں یا اس سے انکار کریں، راجہ کی بیویوں میں سے صرف بوڑھی عورتیں اور صاحب اولاد جن کے بیٹے ماں کو بچائے رکھنے کی اور حفاظت کرنے کی ذمہ داری کریں، چھوڑ دی جاتی ہیں" [4]۔

ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں "پھر رسم ستی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں، عورت کو خلع اور وراثت کا کوئی حق نہیں، اس کے رشتہ دار جائیداد لیں گے لیکن اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، اسے مذہبی تعلیم سے بھی محروم کیا جاتا تھا" [5]۔ حاصل یہ ہوا کہ اسلام سے پہلے سابقہ ادیان میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ عورت کو کسی نہ کسی طریقے سے ذلیل کرنا اور اسے بے تعلقی کو اپنا دینی اور روحانی کمال کیا خیال کیا جاتا تھا۔

اس کے مقابلے میں اسلام نے بیوہ کو جو مقام دیا اس کی وضاحت فصل اول میں ہوگئی ہے جس سے خوب واضح ہے کہ اسلام نے عورت کو بالعموم اور بیوہ کو بالخصوص ایک معزز مقام عطا کیا اور امت مسلمہ کو بیوہ خواتین کے ساتھ بہترین سلوک کرنے اور حقوق دلوانے پر زور دیا یہی وجہ ہے کہ علماء امت نے ہر دور میں بیوہ کے مقام و مرتبہ اور حقوق کو زندہ کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے جس کی واضح مثال رسول اللہ ﷺ ہیں جن کی ازواج مطہرات میں سے صرف ایک کنواری بیوی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے علاوہ باقی تمام بیویاں بیوہ تھیں یعنی ان کا رسول اللہ ﷺ کی ازدواج میں آنے سے پہلے وہ کسی کی بیوی رہ چکی تھیں پھر وہاں مطلقہ ہونے یا خاوند کے وفات پانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حلقہ ازدواج میں شامل ہوئی۔

اخلاق حسین دہلویؒ لکھتے ہیں؛

> "غور کیجئے آپ ﷺ مکہ کے پچیس سالہ حسین نوجوان ہیں، بڑے گھر کے چشم و چراغ ہیں، حسینوں میں آپ ﷺ کے حسن و جمال کے چرچے ہوتے ہیں، اگر آپ ﷺ اشارہ کریں تو مکہ کی اچھے سے اچھی دوشیزہ آپ ﷺ کی خدمت میں فخر کے ساتھ پیش ہو سکتی ہے، ہر خاندان اس آرزو میں ہے کہ ہاشمی شہزادہ ہمیں نواز دے لیکن یہ ہاشمی نوجوان نہ کسی دوشیزہ کا انتخاب کرتا ہے، نہ کسی بڑے گھر کو دیکھتا ہے بلکہ مکہ کی چالیس سالہ خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ شادی کرتے ہیں اور اس سے وہ دنیا کو سبق دیتے ہیں کہ عورت نہ جوانی کا نام ہے، نہ حسن کا، عورت تو عفت و حیا کا نام ہے جس کا زیور محبت و خدمت ہے، اس وقت عرب میں کیا اور ہندوستان میں کیا، بیوہ عورت کی قیمت کیا تھی اور پھر کنوارے مرد کے نزدیک؟ مگر رسولِ پاک ﷺ نے ایک بیوہ کو اپنے حرم میں داخل کر کے دنیا کو بتا دیا کہ عورت ہر حال میں عورت ہے جس کی عزت کسی حالت میں کم نہیں ہوتی" [6]۔ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حضور ﷺ کی حرم میں آنے سے پہلے دو نکاح ہوئے تھے ایک ابوہالہ ہند بن نباش کے ساتھ اور اس کے بعد دوسرا نکاح عتیق بن عائذ کے ساتھ [7])۔

مطلب یہ کہ جب دنیا جنس عورت کو بحیثیت انسان قبول کرنے سے کتراتی تھی، کہاں کنواری اور کہاں بیوہ۔ ایسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا اپنی پچیس سالہ جوانی میں پہلا نکاح چالیس سالہ بیوہ سے کرنا دنیا پر واضح کرنا ہے کہ عورت زندگی کے جس مرحلے میں بھی ہو محترم ہے بالخصوص جب وہ بیوہ ہو کیونکہ اس وقت اس کو ایک ایسے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے لئے چھت کا کردار ادا کرے۔

باقی رسول اللہ ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام نکاح مطلقہ یا بیوہ عورتوں سے کرنا، دنیا پر واضح کرتا ہے کہ مردوں کے لئے اہم یہ ہے کہ ایسی عورتوں کے لئے سہارا بنیں اور عورتوں پر حق یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں اپنے لئے سہارا تلاش کریں اور اگر سہارا مل جائے تو اس کا ہم سفر بن کر اپنے زندگی کو خوشگوار بنائیں نہ یہ کہ انکار کر کے خود کو معاشرتی طوفانوں کے رحم و کرم پر چھوڑیں۔

یہی وجہ ہے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، فقہاءعظا م اور علماء کرام نے ہر دور میں بیوہ کی حقوق کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے بلکہ عملی طور پر دنیا کی سامنے ثابت کر کے دکھایا ہے جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے پہلے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کیا، ان کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو بیوہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا[8]۔ کسی نے بھی اس کا بیوہ ہونے کو عار یا نکاح میں رکاوٹ یا دوسری عورتوں سے کم تر نہیں سمجھا بلکہ عام خاتون کی طرح اس کے ساتھ عزت واحترام کا سلوک کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک منکوحہ "عاتکہ "نامی تھی جو آپ کی چچیری بہن بھی تھی۔ اس کا پہلا نکاح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فرزندارجمند عبد اللہ سے ہوا تھا جب عبد اللہ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے تو اس کے بعد بیوہ عاتکہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو نہایت خوبصورت تھی کے، ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا[9]۔

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی اسلامی تاریخ کی ایک زندہ مثال ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی تقریباً سات ہجری میں پیدا ہوئی تھی، آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تھی، پہلے اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کیا اور اس سے زید نامی بیٹا جنم دیا، کچھ وقت کے بعد وہ وفات پا گئے تو بیوہ ہو گئی جس پر اس کے ساتھ حضرت عون بن جعفر رضی اللہ عنہ جو اس کا چچازاد بھائی تھا کے نکاح میں آئی پھر اس سے بیوہ ہو گئی اور تیسرے خاوند محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی، محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ فوت ہوا تو حضرت عبد اللہ بن جعفر کے نکاح میں آئی اس کے ہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں اس دن فوت ہوئی جس دن اس کا بیٹا زید فوت ہوا تھا[10]۔

سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم و دیگر اکابرین کی سیرت و کردار کا مطالعہ کر کے کسی کے ہاں بھی اس امر کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا کہ انہوں نے بیوہ کو حقوق واحترام کے اعتبار سے کنواری عورت سے کم خیال کیا ہو۔

فقہاء کرام نے بھی جہاں دیگر خواتین کے حقوق اور مسائل پر بحث کی ہے وہاں بیوہ عورتوں کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ شانہ بشانہ ان کے حقوق و احترامات کا تذکرہ بھی کیا ہے بالخصوص ان کے معاشی مسائل وضروریات کی تکمیل پر زور دیا ہے کیونکہ ظاہری طور پر خاوند کی چھت چھن جانے کی وجہ سے اس کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے لئے کئی مدو ذرائع فقہاء کرام نے متعین فرمائے ہیں یہاں تک کوئی آدمی اگر موت سے پہلے کسی کے بارے میں وصیت کرتا ہے اور وہ اس کی موت کے بعد نافذ شمار ہوتا ہے ان میں سے ایک وصیت علامہ ابن نجیمؒ نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے؛

"وَلَوْ أَوْصَى لِيَتَامَى أَوْ أَرَامِلِ بَنِي فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ جَائِزَ-ةٌ يُحْصَوْنَ أَوْ لَا وَالْأَرْمَلَةُ كُلُّ امْرَأَةٍ فَقِيرَةٍ فَارَقَهَا زَوْجُهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا دَخَلَ بِهَا أَوْ لَمْ يَدْخُلْ "11

ترجمہ: اگر کوئی شخص یتیموں اور کسی قبیلے یا خاندان کی بیوہ عورتوں کے بارے میں وصیت کرے تو وہ نافذ ہو گی چاہے وہ ان کو شمار کرے یا نہ کرے اور بیوہ عورت سے مراد وہ فقیر عورت ہے جس سے اس کا خاوند جدا ہوا ہو یا وفات پا چکا ہو چاہے اس کے ساتھ ہمبستری کی ہو یا نہیں۔

تو اس عبارت میں آپؒ نے بیوہ عورتوں کے لئے ایک اضافی ذریعہ معاش کا تذکرہ کیا ہے جو بیوہ عورت کے لئے ذریعہ آمدن بن سکے اور معاشرتی زندگی میں وہ کسی مشکل کا شکار نہ ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہاء نے عام خواتین کے مقابلے میں بیوہ عورتوں کو زیادہ قابلِ توجہ سمجھا ہے اسی لئے تو دیگر عورت کے مقابلے میں اس کے یہاں تنہا ذکر کیا اور دیگر عورتوں کا ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح فقہاء نے بیوگان کے لئے "ارامل" کا لفظ استعمال کرنے کی بنیادی وجہ جو قرار دیا ہے اس میں بھی اس کی معاشی ضروریات کی خیال رکھنے اور دوسری عورتوں پر ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل میں ترجیح دینے کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ "ارملہ کو ارملہ کہنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کا خاوند نہیں ہوتا کہ اس پر مال خرچ کرے[12]۔"

جیسا کہ دنیا کے مختلف ممالک میں تحاریک اور مہم چلائی گئی تا کہ ان بیوہ خواتین کا کھویا ہوا مقام بحال کیا جائے، اس ضمن میں اگر برصغیر پاک وہند کے علماء امت کے اقوال و احوال کا جائزہ لیا جائے تو بہت نمایاں معلوم ہو گا۔ سید احمد شہیدؒ (م 1831ء) نے بیوہ خواتین کے نکاح ثانی کرنے کے بارے میں منظم مہم چلائی کیونکہ اس کے زمانہ میں بیوہ خواتین کا دوسرا نکاح عار اور معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ آپؒ نے نہ صرف تقریر و تحریر کے ذریعے بیوہ خواتین کے نکاح ثانی کے بارے میں مہم چلائی بلکہ عملی طور پر کر کے دکھایا جیسا کہ آپؒ نے اپنے بھائی سید اسحاق کی بیوہ سے شادی کر کے اس کو اور اس کے بچے کو آباد کیا نیز آپ نے اپنے خلفاء کو خطوط کے ذریعے حکم جاری کیا کہ بیوہ خواتین کے نکاحِ ثانی کو عام کیا جائے، اس کو رواج دیا جائے، اس سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ اس تحریک کے نتیجے میں سینکڑوں بیوہ خواتین کا نکاح ثانی ہوا جس سے ان کو دوبارہ خوشی کی زندگی نصیب ہوئی۔ اسی طرح مولانا قاسم نانوتویؒ نے بھی اس رسم بدیعنی بیوہ خواتین کے ساتھ نکاح کو معیوب سمجھنے والی رسم کی بیخ کنی کی بھرپور کوشش کی اور اپنی بہن کو جو بیوہ ہو گئی تھی کو نکاح ثانی پر راضی کر کے اس کا نکاحِ ثانی کیا[13]۔ نیز ثناء اللہ امرتسریؒ نے بھی بیوہ خواتین کی نکاحِ ثانی کے بارے میں خوب کوششیں کیں اور "شادی بیوگان اور نیوگ" کے عنوان سے ایک رسالہ تحریر کیا، احمد علی لاہوریؒ، سید سلمان ندویؒ، اشرف علی تھانویؒ، رضا خان بریلویؒ، دیگر علماء دیوبند، تحریک منہاج القرآن اور جماعت اسلامی کے رفقاء نے اس رسم بد کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے ان کے خاتمے کی

کوششیں کیں یہاں تک الطاف حسین حالی نے "مناجات بیوہ" کے نام سے نظم تحریر کرکے اس میں بیوہ کے درد و کرب اور احساسات کا احاطہ کیا[14]۔

عصر حاضر میں اگر دیکھا جائے تو عورتوں کی ضروریات بالخصوص بیوہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں علماء امت ابھی بھی محو گردش ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے کسی کونے میں کسی بیوہ عورت کی حق تلفی نہ ہو، اس کے حقوق کی پامالی نہ ہو، اس کی جنسی و معاشی ضروریات کی احسن طریقے سے تکمیل ہو تاکہ وہ معاشرے میں ایک معزز فرد کی حیثیت سے زندگی گزار سکے اور زندگی کے کسی مرحلے میں احساس کمتری کے شکار نہ ہو یہی وجہ کہ مصر کے ایک محقق ڈاکٹر محمد یوسف فرماتے ہیں کہ 1948ء میں جب میں فرانس کے دار الخلافہ پیرس میں تھا تو مجھے المانیا کے مسائل پر میونخ جرمنی میں منعقدہ کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی، جب میں وہاں گیا تو مختلف علماء نے وہاں کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی، مختلف قسم کے مسائل پر روشنی ڈالی، ان کا حل تجویز کیا لیکن جب میری باری آئی تو میں نے المانیا کے مسائل کے حل کے لئے یہی بنیادی تجویز پیش کی کہ المانیا میں مختلف آفتوں بالخصوص جنگوں کی وجہ سے کافی نقصان پہنچا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے بہت سے مرد حضرات فوت ہوئے ہیں اب وہاں پر بیوہ عورتوں کی کثرت ہے جن کی معاشرتی، معاشی ضروریات وغیرہ کی تکمیل کے لئے کوئی پائیدار اور مناسب ماحول نظر نہیں آتا لہٰذا اس صنف کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ وہاں کے مرد ایک سے زیادہ شادیاں کریں تاکہ ان کی یہی ضرورت حل ہو اور وہاں کی عورتوں کی مناسب معاشی و معاشرتی حیثیت کا خیال رکھا جاسکے اور نہ تو وہ شخصی طور پر احساس کمتری میں مبتلا ہوں اور نہ ہی وہ معاشرے کے لئے اضافی بوجھ تصور ہو بلکہ جب کوئی مرد کسی بیوہ کے ساتھ نکاح کرے تو پھر اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری بن جائے گی اور وہ اپنی پہلی بیوی بچوں کی طرح اس دوسری یا تیسری بیوی کے نان و نفقہ اور رہائش کا خیال رکھے جس کا سماج اور معاشرے پر بہت مثبت اثر پڑے گا[15]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف عالمی دنیا اس بات پر بضد ہے کہ ہر مرد کو صرف ایک شادی کی اجازت ہے لیکن بیوگان کی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے علماء امت ابھی ان کے لئے دنیا کے ہر پلیٹ فارم پر جہاں ان کو موقع ملے ان کے حقوق کے لئے بات کرتے ہیں بلکہ منوانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں جہاں درج بالا کانفرس میں پہلے تو موصوف کی تجاویز کو دہشت اور نفرت کی نظر سے دیکھا گیا لیکن جب اس نے مدلل اور معقول طریقے سے کانفرس کے شرکاء کو سمجھانے کی کوشش کی تب جاکر انہوں نے آپ کے ان تجاویز سے اتفاق کیا بلکہ اس تجویز کے بعد المانیا جو مغربی یورپ کا وسطی ملک ہے کے باشندوں نے باقاعدہ طور پر اس کی اجازت مرحمت فرمانے کے لئے سرکاری طور پر مطالبہ بھی کیا۔

بیوہ کا لحاظ اور احترام ہی تو ہے کہ جب ایک مرتبہ ایک عورت کسی مسلمان سے نکاح کرے اور پھر وہ اس کو تین طلاق دے دے اور اس کے بعد وہ کسی نصرانی سے نکاح کرے جس کے بعد اس نصرانی سے وہ کسی وجہ سے الگ ہو اور بیوہ ہو کر رہ جائے اب کیا وہ دوبارہ اسی سابقہ مسلمان خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اسی بات کی وضاحت میں علماء نے کہا ہے کہ بالکل اس کو سہارا دینے اور آسرا فراہم ہونے کے ناطے وہ دوبارہ اسی سابقہ مسلمان خاوند کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے تاکہ اس کی معاشی و معاشرتی ضروریات پورے ہوں اور معاشرے میں وہ کسی ذہنی اضطراب کا شکار نہ ہو[16]۔

عورت بالخصوص بیوہ کی عزتِ نفس کی حفاظت کی خاطر اسلامی تعلیمات میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر ایک عورت کا شوہر فوت ہو اور اس دوران وہ حاملہ بھی ہو تو اپنے خاوند کی وفات کے دو سال بعد تک بھی اگر وہ کسی بچے کو جنم دے تو وہ اسی سابقہ شوہر کا شمار ہو گا، اسی سے ثابت النسب ہو گا، اسی سے میراث کا حقدار ٹھہرے گا اگر اسی والدہ ام ولدہ ہے تو اسی کے ساتھ وہ آزاد بھی ہو جائی گی[17]۔

علماء کرام جس طرح دیگر معاشرتی اور سماجی مسائل و مشکلات کی نشاندہی اور حل کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور مختلف طریقوں سے چاہے درس و تدریس کے ذریعے ہو، علمی مجالس اور خطبات کے ذریعے وہ معاشرے اور معاشرتی افراد کی اصلاح اور خوشحالی کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بیوہ عورتوں کے حقوق و متعلقات سے بھی وہ کبھی غفلت نہیں برتتے بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی طریقے سے بیوہ عورتوں کی مشکلات کم ہوں جس کا ایک اہم ذریعہ بیوہ عورتوں سے نکاح کرنا ہے کیونکہ نکاح ایک ایسا عمل ہے جس میں بیوہ کو چھت نصیب ہو جاتی ہے جو اس کو تمام معاشرتی و معاشی ضروریات و مشکلات سے بے پرواہ کر دیتا ہے اس لئے علماء اس پہلو پر ہر زمانے میں زور دیتے رہے ہیں، کوشش کرتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا مملوک علیؒ کی ایک بیٹی جو بیوہ ہو گئی تھی کا نکاح یوں کیا جیسے لوگ کنواری لڑکی کا کرتے ہیں جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ بیان کرتے ہیں؛

"مولانا مملوک علیؒ نے اپنی بیوہ لڑکی کی شادی اس طرح کی تھی جیسے کنواری کی کرتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ بیوہ کے نکاح کو ناک کٹنا سمجھتے تھے نکاح کے بعد مولانا نے نائی کو حکم دیا کہ آئینہ تمام برادری کو دکھلا دے سب اپنی اپنی ناکوں کو دیکھ لیں کہ کٹیں تو نہیں"[18]۔

ایسی بیوگان کے نکاح کی ضرورت اور اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے سید قطب الدین خان دہلویؒ فرماتے ہیں؛

"پھر نہ صرف یہ کہ کنواری لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کی جاتی ہے بلکہ اگر کوئی عورت شوہر کے انتقال یا طلاق کی وجہ سے بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے دوبارہ نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے اس طرح اس بیچاری کے تمام خواہشات و جذبات کو فنا کے گھاٹ اتار کر اس کی پوری زندگی کو حرمان و یاس، رنج و الم اور حسرت و بے کیفی کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے"[19]۔

غرض یہ علماء امت زندگی کے ہر مرحلے میں امت مسلمہ کے ہر پسے ہوئے طبقے کی آواز بن کر اس کی اصلاح کے لئے آواز اُٹھاتے ہیں اور ارباب اختیار کو یاد دلایا کرتے ہیں کہ ان مظلوم طبقات کے ساتھ زیادتی نہ کرو ورنہ قیامت کے روز پچھتانا پڑے گا اسی کی ایک مثال بیوہ خواتین بھی ہیں جو معاشرے میں مظلومیت اور نظر اندازی کے شکار ہیں اس لئے علماء نے عملی اور قولی طور پر اس کی اصلاح کی کوشش کر کے اس کو ان معاشرتی مشکلات سے نکالنے اور بچانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور کرتے رہیں گے۔

---

1 صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5337، ج7، ص59

2 ابو الحسن علی ندوی، اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض، لکھنو: جامعہ مومنات اسلامیہ، طبع: 1999، ص39

3 ضیاء الدین، عورت قبل از اسلام اور بعد از اسلام، کراچی: راحت ایجو کیشن، طبع2006، ص33-35 تصرفا

4 البیرونی، ابوریحان، کتاب الہند، ترجمہ اصغر علی، لاہور: الفیصل ناشران، طبع2005، ص506

5 خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور: الفیصل ناشران، طبع2021، ص468

6 اخلاق حسین (م1992ء)، ہادی اعظم، دہلی: مکتبہ رحمت عام، سن طبع: 1966ء، ص139

7 قرطبی، یوسف بن عبد اللہ (م463ھ)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، کتاب النساء و کناہن، رقم: 3311، بیروت: دار الجیل، طبع اول؛ 1992ء، ج4، ص1817

8 ابن حجر، ابوالفضل، احمد بن علی (م852ھ)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، کتاب النساء، حرف الالف، رقم: 10809، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، طبع اول؛ 1415ء، ج8، ص14

9 نعمانی، شبلی (م1914ء)، الفاروق، کراچی: دار الاشاعت، طبع اول؛ 1991ء، ص405

10 عبد الکریم بن صنیتان، حاشیہ علی المسائل المہمہ للحلبی محمد بن احمد، قاہرۃ: دار المدنی الموسسۃ السعودیہ بمصر، طبع اول: 1990ء، جلد1، ص128

11 ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم (م970ھ)، البحر الرائق، باب الوصیۃ، بیروت: دار الکتاب الاسلامی، طبع ہشتم؛ سطبا، جلد8، ص512

12 طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد (م321ھ)، مختصر اختلاف العلماء، باب فی الوصیۃ، بیروت: دار البشائر الاسلامیۃ، طبع دوم؛ 1417ھ، جلد5، ص52

13 غلام رسول مہر، سوانح سید احمد شہید، لاہور: غلام علی سنز، سن طبع 1948ء، ص144-148 / تاریخ علماء دیوبند، ص120-121

14 محمود الحسن چنار مع رفقاء، بیوہ عورت کی کفالت سیرت طیبہ کی روشنی میں، ج1، ش1، سن طبع 2017ء، ص30-31

15 سید سابق (م1420ھ)، فقہ السنۃ، بیروت: دار الکتاب العربی، طبع سوم؛ 1977ء، ج2، ص117

16 ابو بکر احمد بن ہارون (م311ھ)، احکام اہل الملل والردۃ من الجامع لمسائل الامام احمد بن حنبل، بیروت: دار الکتب العلمیہ، طبع اول؛ 1994ء، جلد1، ص170

17 علی بن حسین (م461ھ)، النتف فی الفتاوی، بیروت؛ موسسۃ الرسالۃ، طبع دوم؛ 1984ء، جلد1، ص: 334

18 تھانوی، اشرف علی (م1943ء)، خطبات حکیم الامت، دین و دنیا، ملتان: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، سن طبع: رجب1430، جلد3، ص308

19 دہلوی، قطب الدین (م1289ھ)، مظاہر حق، باب تعجیل الصلوۃ، کراچی: دار الاشاعت، سن اشاعت: مارچ2009ء، جلد1، ص436